ڈاکٹر عبدالستار نیازی
شعبہ اردو یونیورسٹی آف لاہور، سرگودھا کیمپس
حافظ محمد ثاقب نیاز
پی ایچ ڈی اسکالر اسلامیہ یونیورسٹی بہاول پور

تعلیم نسواں اور فکر اقبال

Dr. Abdul Sattar Niazi
Department of Urdu, Universit of Lahore, Sargodha Campus.
Hafiz Muhammad Saqib Niaz
PhD Scholar, Islamia University, Bahawalpur.

Women's Education and Iqbal Thought

The analytical study aimed to find out the philosophical views of Great Thinker Allama Iqbal's on women’s education. The data has been collected from multiple authors’ perception about Allama Iqbal and his views about women. After careful analysis it is found that Allama Iqbal's educational philosophy for women is in accordance with the basic Islamic teachings of Quran and Sunnah. He wanted to see women in the same circle that Islam has taught them and they are supporters of the same limits related to women that have been established by Islam. They do not make women so bound. The prevailing concept of restriction has not understood and does not give that much freedom. What the West has given to women, therefore, their philosophy of education is a supporter of such an educational environment and such a curriculum for women. In which they can use all their abilities in a better way. Allama Iqbal has said the same thing in his philosophy of feminism and it is in accordance with the very nature of it, this deviation and violation leads to the inevitable deterioration and chaos of the society. Therefore, they are accepting of keeping women as women in his educational philosophy.

Key Words: *Allama Iqbal, women’s education, Islamic teachings.*

عربی زبان میں نساء کے معنی عورت کے ہیں اللہ رب العزت نے اسے تخلیق کر کے ڈھانپ دیا۔ ارشاد ربانی ہے کہ ”شیطان نے انھیں بہکایا تو ان کے پوشیدہ حصے نمایاں ہو گئے “۔[1]عورت ابتدا سے ہی ہستی کا اہم عنصر

رہی ہے۔ بقول یوسف حسین خان "ان کے نزدیک عورت کی زندگی کا مقصد ومنتہا نسل انسانی کو برقرار رکھنا ہے۔ اس کے سارے قویٰ فطرت نے اسی مقصد کو پورا کرنے کی غرض سے بنائے ہیں یہ اتنا عظیم مقصد ہے کہ دوسرے مقاصد اس کے آگے ہیچ ہیں"(۲)۔ دنیا کی ساری رونق عورت سے ہی ہے۔ عورت نہ ہوتی تو ساری کائنات بے رنگ ہوتی۔ عورت کے روئے زمیں پر نہ ہونے سے نسلوں اور خاندانوں کا تسلسل قائم نہ رہتا۔ تہذیب وتمدن کی ترقی نہ ہوتی، علم وادب پروان نہ چڑھتا اور قوموں کی تاریخ رقم نہ ہوتی۔ خدائے بزرگ وبرتر نے اس کی ذات میں ساری رنگنیاں، رعنائیاں اور دل فریبیاں کو سمو کر اسے قیمتی متاع بنایا ہے۔ دنیائے فلاسفہ نے فلسفہ کی گہرائیوں میں ڈوب کر اس پر روشنی ڈالی ہے۔ شعرا نے عورت کو خوبصورت پھول کہا ہے تو کسی نے اسے سرور زندگی کہا تو کسی نے اس کی شان میں قصیدہ خوانی کی۔

اللہ تعالیٰ نے نبی مکرم ﷺ کو پہلی وحی میں (اقرا) پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے" اے حبیب اپنے رب کے نام سے پڑھیے" (۳) یہ حکم حصول علم کے بارے میں ہے اس میں وہ سارے علم نافع شامل ہیں جو پوری انسانیت کے فائدہ مند ثابت ہوں۔ آپ ﷺ حضرت شفاء بنت عدویہ سے فرمایا تھا کہ "تم نے جس طرح حفصہ کو" نملہ (پھوڑے) کا رقیہ سکھایا ہے، اسی طرح لکھنا بھی سکھا دو" (۴) قرآن مجید میں پانچ سو مرتبہ کم وبیش حصول علم کی اہمیت اور فضلیت بیان کی گئی ہے اور حصول علم کے لیے صیغہ مذکر استعمال ہوا ہے اس میں خواتین بھی شامل ہیں۔ اسلام نے فرضیت علم میں مرد وخواتین پر کوئی قدغن نہیں لگائی۔ حصول علم کی ذیل میں اس حکم کو ترک کر دیا جائے تو دین کے بنیادی ارکان کی پابندی خواتین پر لازم نہیں رہتی۔ پھر خواتین کا دین مصطفیٰ سے کتنا ربط رہ جائے گا۔

نبی مکرم ﷺ کا سارا دین علم سے ہی عبارت ہے خود نبی مکرم نے ایک دن عورتوں کی تعلیمات کے لئے مخصوص کیا ہوا تھا۔ دین فطرت میں خواتین گھریلو تقاضے پورا کر کے عورتوں کے علاوہ مردوں کو بھی پڑھا سکتی ہیں اور پردہ خود اس بات کی دلیل ہے کہ یہ حصولِ علم کے باہر جانے کے لیے ہے۔ دینِ حنیف نے خواتین کو تمام تمدنی، معاشرتی اور تعلیمی حقوق تفویض کیے ہیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ محدثہ اور فقیہہ تھیں حضرت عمر فاروق کے دور میں خواتین مجلس کی رکن تھیں۔ حضرت عثمان غنی کے دور میں خواتین کو سفیر نامزد کرنے کی روایت ملتی ہے۔ اسلامی تاریخ میں بہت سی خواتین کا ذکر ملتا ہے جنھوں نے علم، لغت، نحو، علم طب، شاعری اور کتابت میں منفرد مقام حاصل کیا۔ کیونکہ تخلیق انسانی تک رسائی علم کے ذریعے سے ہوسکتی ہے۔ جس میں کوئی تخصیص نہیں ہے۔ علامہ

اقبال کی شخصیت ہمہ گیر اور ہمہ جُو تھی اوران دل و دماغ میں مشرق و مغرب کے قیمتی عناصر جمع ہو گئے تھے جو ہمیں شاذونادر ہی کہیں اور نظر آتے ہیں۔ جس بنا پر ان کا دماغ غیر معمولی صلاحتوں کی آماج گاہ بن کر ایسا آئینہ بن گیا تھاوہ حالات وواقعات اور ان کے دوررس نتائج کا تجزیہ کر کے آئندہ کے بارے اظہار خیال کر سکتے تھے۔ان کے بقول

> "میری آنکھوں نے عالم اسلام کی تباہی دیکھی تھی۔ ہر ظلمت کے بعد ایک نیا آفتاب طلوع پیدا ہوتا ہے۔ اختلاف احوال سے انسان میں ایک نئی نگاہ پیدا ہوتی ہے۔یہ نئی نگاہ خدا نے مجھ میں بھی پیدا کی ہے۔ میں اس بصیرت کی بدولت قدیم سوالات کے جوابات پیش کرتا ہوں پھر اس بصیرت کو شعر کا جامہ پہناتا تاکہ بیاں دلنشیں ہو جائے"(۵)

سلطنت مغلیہ کے زوال کے بعد انگریزوں نے یہاں کا اقتدار سنبھالا اور یہاں اپنی تہذیب متعارف کرائی۔ ان کے دور حکومت میں مغربیت مشرقیت پر غالب آنے لگی جس سے معاشرتی ،تمدنی، مذہبی اور اخلاقی قدریں پاش پاش ہونے لگیں۔ انتشار کے اس دور میں ہندوستان کی ادبی سطح پر علامہ اقبال کی شخصیت نمایاں ہو رہی تھی جس کے کلام اور فکارو خیالات کی گونج مشرق کے علاوہ مغرب میں بھی سنی گئی۔ جس کی تابندگی نے اسے خدائے سخن کر دیا تھا۔ اس نے قرآنی بصیرت کی روشنی سے قوموں اور نسلوں کی رہنمائی کی اور تعلیم نسواں کو اپنا تعلیمی نظریہ بھی دیا۔بقول مجنوں گورکھپوری "اقبال کا شماران دانیان راز میں ہو گا۔ جو مستقبل کی جھلک دکھا کر فکر و عمل کارخ نئی سمتوں کی طرف موڑ سکتے ہیں" (۶) تخلیق کار اس دور میں عورت کی خوبصورتی کا نقشہ کھینچنے اور اس کے خدو خال کو اُجاگر کرنے کی کوششوں میں مصروف تھے۔ حتیٰ کہ اقبال جیسا حساس شاعر بھی بے ساختہ کہہ اُٹھتا ہے۔

> ہند کے شاعر وصورت گر وافسانہ نویس
> آہ! بیچاروں کے اعصاب پہ عورت ہے سوار!

علامہ اقبال کے نزدیک دنیا کی ساری رنگنیاں اسی سے پھوٹتی ہیں۔ان کے بقول وجود زن سے ہے تصویر کائنات میں رنگ، وہ عورت پر لکھتے ہو جذبات میں بہہ نہیں گئے بلکہ سنجیدگی سے اس کی تعلیم وتربیت پر غور کرتے ہیں۔ایسا شخص اپنے افکارو خیالات میں عورتوں کی تعلیم کو کیسے نظر انداز کر سکتا ہے۔علامہ اقبال کو ابتدا ہی سے تعلیم سے دلچسپی رہی جو ماہرین تعلیم سے ڈھکی چھپی نہیں۔ مشرق و مغرب کے نظام تعلیم ان کے سامنے تھے۔ انھوں نے خود مغربی اداروں سے تعلیم حاصل کی۔بقول ڈاکٹر عبادت بریلوی "علامہ اقبال کی تعلیم مغربی طرز پر

ہوئی۔ اسکاچ مشن سکول سیالکوٹ سے لے کر گورنمنٹ کالج لاہور اور پھر کیمبرج، ہائیڈل برگ اور میونخ، سب جگہ انھیں مغربی تعلیم کاماحول ملا (۷) خود علامہ اقبال کو مکتب کی ابتدائی تعلیم سے لے کر جامعات کی اعلیٰ تعلیم تک کا ذاتی تجربہ تھا۔ انھوں نے اپنی عملی زندگی کا آغاز بحیثیت معلم کے کیا۔ وہ بعد ازاں ایم۔ اے ۱۸۹۹ء تا ۱۹۰۳ء تک تاریخ، معاشیات، منطق اور نفسیات اور نیٹیل کالج میں پڑھاتے رہے۔ پھر گورنمنٹ کالج لاہور میں فلسفہ، انگریزی تاریخ اور سیاسیات کے پروفیسر رہے۔ وہ اپنے استاد سر تھامس آرنلڈ کی جگہ لندن میں عربی پڑھاتے رہے۔ وہاں سے واپسی پر گورنمنٹ کالج میں فلسفہ اورانجمن حمایت کی فرمائش پر اسلامیہ کالج لاہور میں انگریزی ادبیات اور فلسفہ بھی پڑھاتے رہے۔ وہ اپنے ایک خط میں اکبر آلہ آبادی کو لکھتے ہیں " اسلامیہ کالج لاہور کے پروفیسر فلسفہ ڈاکٹر ہیگ بوجہ چیچک دفعتاً انتقال کر گئے۔ انجمن حمایت اسلام کے اصرار پر دوماہ کے لیے ایم۔ اے کی جماعت مجھے لینی پڑتی ہے۔ ان لیکچروں کے بہانے کوئی نہ کوئی مذہبی نکتہ ڈالنے کاموقع جاتا ہے "(۸) مسلماں زعماء نے دہلی میں جامعہ ملیہ قائم کی توعلامہ اقبال نے خوشی کا اظہار کرتے ہوئے اپنے دستخطوں سے تعاون کی اپیلیں شائع ہوئیں۔ ان کے بقول "ہندوستان کی تعلیمی دنیامیں ایک انقلاب پیدا کر دیں گے اور مسلمانوں میں کی زندگی میں ایک نئی روح پھونک دیں گے "(۹)۔ انھوں نے صاحبزادہ آفتاب احمد خاں کو علی گڑھ کے شعبہ اسلامیات کے نصاب کو زمانے سے ہم آہنگ کرنے میں مشاورت اور کئی سوالات کے جوابات بھجوائے ۔ وہ پنجاب یونیورسٹی ، علی گڑھ یونیورسٹی ، دیو بند اور دارلندوہ جیسے معروف اداروں کے نصاب ، طریقہ و تدرریس اور ان کی ترقی وترویج کی مشاورت میں بھی شامل رہے۔ وہ ہندوستان کی بہت سی یونیورسٹیوں کے پرچہ ساز، ممتحن، نصابی کمیٹیوں اور انتظامی مجالس کے ممبر بھی رہے علاوہ ازیں ان کے صدارتی خطبے اور لیکچروں سے تعلیمی نکات کشید کئے جاسکتے ہیں ۔ان کی تعلیم سے دلچسپی کے محرکات درج ذیل ہیں:

مسٹر گوکھلے نے ۱۹۱۲ء امپیریل لیجسلیٹیو کونسل میں جبری تعلیم کا مسودہ پیش کیا۔ ہندؤوں اور مسلمانوں کی مذہبی اور سیاسی تنظیموں نے جبری تعلیم کے خلاف جلسے، جلوس اور قراردادیں پیش کیں۔ اسلامیہ کالج لاہور میں ۱۸ فروری ۱۹۱۲ء میں ایک جلسہ علامہ اقبالؒ کی صدارت میں ہوا۔ علامہ اقبالؒ نے اپنے صدارتی خطبے میں فرمایا

> "لفظ جبریہ کسی کو کھٹکنا نہیں چاہیے۔ جس طرح چیچک کا ٹیکہ لازمی اور جبریہ لگایا جاتا ہے ۔ اسی طرح جبریہ تعلیم روحانی چیچک کا ٹیکہ ہے۔ اسلام میں جبریہ تعلیم موجود

ہے کہ اپنے بچوں کو زبردستی نماز پڑھائیں۔ لہذا اس بل پر اب تک جو اعترض ہو چکے ہیں وہ بالکل لغو ہیں" (۱۰)

جے ۔ایف بروس، پروفیسر آف ہسٹری، پنجاب یونیورسٹی میں ۱۹۳۲ء میں تعنیات ہوئے تو انھوں نے سینٹ کے ہندو پروفیسروں کی خوشنودی کے لئے بی۔اے کے نصاب سے اسلامی تاریخ کو خارج کرنے کی تجویز پیش کی ۔ ان کے اس اقدام سے پورے پنجاب میں احتجاجی جلوس نکلے اور لاہور میں ایک جلسہ علامہ اقبالؒ کی زیر صدارت ہوا۔ آپ نے صدارتی خطبے میں ان کی تجویز کورد کرتے ہوئے فرمایا "کسی قوم کی تاریخ صرف ایک قوم کی تاریخ نہیں ہوتی بلکہ اجتماعی حیثیت سے روح انسانی کی عکاس اور پورے عالم انسانی کی تاریخ ہوتی ہے۔ یہ صرف مسلمانوں کی نہیں بلکہ کل اقوام عالم کی تاریخ ہے۔"(۱۱) علامہ اقبالؒ پنجاب میں ایک شاندار علمی ادارہ قائم کرنا چاہتے تھے وہ شیخ الجامی علامہ المصطفیٰ المراغی کو ایک خط میں رقمطراز ہیں ." ہم پنجاب کے ایک گاؤں میں ایک ایسا ادارہ قائم کریں گے جسکی نظیر آج تک یہاں نہیں ملتی۔۔۔ ایسا معلم جو کامل اور صالح ہو اور قرآن حکیم میں بصارت تامہ رکھتا ہو نیز انقلاب دور حاضرہ سے بھی واقف ہو۔ آپ ازراہ عنایت ایک روشن خیال مصری عالم کو ہمارے ہاں بھیج کر ممنون فرمائیں" (۱۲)۔ وائسرائے ہند کی خواہش پر دہلی میں ہونے والی تعلیمی کانفرس ۶ اپریل ۱۹۳۳ء میں علامہ کو خصوصی طور مدعو کیا گیا اور آپ اس کی ذیلی کمیٹی کے بھی ممبر رہے۔ علامہ اقبالؒ نے والئی افغانستان میر امان کی خواہش پر وہاں تعلیمی منصوبہ بندی کے لئے علامہ سلیماں ندوی اور راس مسعود کے ساتھ کابل کا دورہ کیا اور کابل یونیورسٹی کی نصاب سازی میں اہم معاونت کی۔ جو ان کی تعلیم سے دلچسپی کو ظاہر کرتا ہے علامہ اقبالؒ نے بحیثیت ماہر تعلیم سر تھیوڈور مارسین (سابق پرنسپل ایم ۔ اے ۔ او کالج علی گڑھ) کی درخواست پر "کیمبرج ہسٹری آف انڈیا" کے لئے اردو لٹریچر کا باب لکھنا منظور کیا جو وہ مصروفیت کی وجہ سے لکھ نہ سکے پھر لالہ رام پرشاد کے اشتراک سے درسی کتاب "تاریخ ہند" لکھی"(۱۳)

علامہ اقبالؒ نے ۴جون ۱۹۲۵ء میں مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے وائس چانسلر صاحبزادہ آفتاب احمد خان کو لکھا " ایسے عالم تیار کرنا جو اسلامی تاریخ، آرٹ (علوم وفنون) اور تہذیب وتمدن کے مختلف پہلوؤں پر حاوی ہوں۔ اقبال نے مغربی اور مشرقی نظام ہائے تعلیم کا گہری نظر سے مطالعہ کیا۔ انھیں دونوں نظام ہائے تعلیم میں بالخصوص تعلیم نسواں میں سقم نظر آتا تھا۔ کیونکہ مغرب میں تعلیم نسواں کی بنیاد مادیت ، عقل پرستی ، تن پروری، جھوٹے معیار و نظریات، ظاہری چمک دھمک ، لغویاامومت سے گریزاں، خود غرضی، احساس سے

عاری، قلب و نظر کا فساد، تزکیہ نفس سے خالی، روحانی بے اطمینانی، نسوانی جوہر سے خالی، تقدس مآب زندگی سے محرومی، توحید سے بیزاری اور تعیش وآرام کی دلدادگی پر ہے۔ علامہ اقبالؒ نے تعلیمی فلسفے پر کوئی منضبط کتاب تو نہیں لکھی۔ بقول قاضی احمد میاں اختر جوناگڑھی "اقبالؒ فن تعلیم کے ماہر تھے نہ انھوں نے اس فن کی تحصیل کی اور نہ ہی اس موضوع پر انھوں نے کوئی کتاب لکھی۔" (۱۴)

تاہم ان کے کلام، افکار و خیالات اور نظریات سے تعلیم نسواں پر تحقیقی کتاب تیار ہو سکتی ہے اقبالؒ نے بحیثیت ماہر تعلیم تدریس، اساتذہ، مدرسہ، نصاب تعلیم و تعلم، معیار تعلیم، مقاصد تعلیم، مسائل مدرسہ اور اساتذہ کی تربیت سے دلچسپی آخر تک قائم رکھی۔ وہ بچوں کی تعلیم و تربیت کے ضمن میں لکھتے ہیں "تعلیم علمی اُصولوں پر مبنی ہو تو تھوڑے ہی عرصے میں تمام تمدنی شکایات کافور ہو جائیں اور دنیوی زندگی دلفریب حد درجہ فکر مند تھے اور سمجھتے تھے کہ قوموں کی ترقی و عروج میں تعلیم کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ نظارہ معلوم ہو" (۱۵) وہ دانائے راز تھے، شاہد آید کہ نہ آیدٔ کے مصداق اپنی قوم کی بچیوں کے بارے میں چھ افراد کو بنانے اور سنوارنے میں عورت کا مرکزی کردار رہو تا ہے۔ عورت اور مرد گاڑی کے دو پہیے ہیں۔ دونوں میں کسی ایک کی علم سے اجنبیت کائنات کے نظام زندگی کو درہم برہم کر سکتی ہے۔ اقبالؒ کا قول ہے کہ

عورتوں کو تعلیم یافتہ ہونا چاہیے کیونکہ ایک عورت خاندان کو تعلیم سے ہمکنار کرتی ہے اور تعلیم ہی اسے قوم کے وجود میں ڈھالتی ہے۔ عورت کے تعلیم یافتہ نہ ہونے سے پوری قوم برباد ہو جاتی ہے۔ ماں، تعلیم یافتہ اور سلیقہ شعار ہو گی تو اولاد بھی صالح اور مہذب ہو گی۔ بچے اپنی ماں سے آداب واطوار حاصل کرتے ہیں۔ ماں ہی اولاد کے خیالات کو سنورانے کی ذمہ دار ہوتی ہے۔ جب ماں کی بنیاد مستحکم ہو گی تو بچے بھی معاشرے کے اہم فرد کی حیثیت سے اُبھریں گے۔ اقبالؒ اپنی قوم سے درخواست کرتے ہیں کہ عورتوں کو تعلیم سے مزین کرو، اگر عورت تعلیم یافتہ ہو گی تو اس کی شخصیت میں نکھار آئے گا۔ عورت کی جہالت سے گھر میں نحوست چھاتی ہے بقول اکبر الہ آبادی

تعلیم لڑکیوں کو تو دینی ضرور ہے
لڑکی جو بے پڑھی ہے وہ بے شعور ہے

علامہ اقبالؒ نے مغربی نظام تعلیم کا انتہائی عمیق مطالعہ کیا تھا اور انھیں مغرب کے پر فریب نعروں کی صدائے بازگشت میں مسلم خواتین کی بربادی دکھائی دینے لگی تھی۔ ان کی نظر میں ان نعروں کا مقصد یہ تھا کہ مشرقی عورت کو یورپی خواتین کی طرح بے حیائی اور عصمت باختگی پر مجبور کر دیا جائے تاکہ ملت اسلامیہ مجموعی طور پر عیش

کوشی اور عریانیت کی بھینٹ چڑھ جائے۔ جس سے مسلمانوں کی ابدی خصوصیات شجاعت، مردانگی، حمیت، ایثار، مروت اور خداترسی مدہوشی کی حالت میں دم توڑ جائیں اور مسلم اُمہ یورپ کی غلامی کے شکنجے سے چھٹکارا حاصل نہ کر سکے۔

مغرب نے ایک سوچی سمجھی سازش کے تحت یہاں مخلوط تعلیم متعارف کرائی کیونکہ ان کی گستاخ فکر کی عکاس یہی مخلوط تعلیم تھی۔ خاتون مشرق کو لیلائے مغرب کی ہوس ناک نگاہوں کی لذت اندوزی کی ہمہ گیر گھاؤنی سازش اور اس کی چادر عصمت وعفت کو تار تار کرنے کی شیطانی چال مخلوط تعلیم ہی ہے۔ چنانچہ یہاں بھی مغربی تہذیب وتمدن کے پس منظر میں تعلیم نسواں کا غلغلہ بلند ہوا اور تعلیم یافتہ افراد نے خواتین کو زیور تعلیم سے آراستہ کرنا شروع کیا جس سے تہذیبی اور معاشرتی سطح پر مسائل پیدا ہوئے۔ علامہ اقبالؒ نے اس منظر میں اپنے کلام اورافکار وخیالات میں تعلیم نسواں کا جو تصور پیش کیا وہ خالصتاً اسلامی ہے۔ علامہ اقبالؒ کے نزدیک تعلیم کا بنیادی مقصد انسان کے قلب وماہیت کی روحانی اصلاح کر کے، حفاظت خودی کی نمایاں خوبیاں پیدا کر کے اچھا فرد بنانا ہے اور خواتین کو توحید، علم،، عشق، بلند ہمتی، سخت کوشی، پاک دامنی، رواداری، درویشی اور قناعت جیسی صفات سے آراستہ کر کے ایک مثالی خاتون بنانا ہے۔

علامہ اقبالؒ کے نزدیک عورتوں کے تعلیمی وتربیتی مضامین اور نصاب تعلیم مردوں سے مختلف ہونے چاہیے۔ انھیں اپنی فطری نزاکت کے پیش نظر ایسے نصابی علوم کی تحصیل کرنی چاہیے جو انھیں زمزمۂ نسواں میں رکھتے ہوئے فطری تشخص کی حفاظت کریں اور ایسے علوم سے اجتناب کریں جو انھیں ناز سے نازن میں تبدیل کر دیں۔ مغرب نے عورت کو گھر سے اُٹھا کر گھر اور بچوں سے دور کار خانوں، ہوٹلوں اور دفاتر میں بٹھا دیا۔ اقبالؒ خرد مندان مغرب کو یوں احساس دلاتے ہیں:

کوئی پوچھے حکیم یورپ سے ہندویونان ہیں جس کے حلقہ بگوش
کیا یہی ہے معاشرت کا کمال مرد بے کار زن تہی آغوش!

علامہ اقبالؒ برسوں تعلیم نسواں پر غور وفکر کرتے رہے کہ یہاں کی خواتین کو کس نظام تعلیم کی ضرورت ہے اور انھیں کس طرح تعلیم دی جائے۔ قدرت نے مردوں اور عورتوں میں تخلیقی اعتبار سے فرق رکھا ہے ان کے اعضاء رنگ وروپ، قوائے جسمانی اور مزاج ومذاق پسند وناپسند میں بھی نمایاں تفاوت ہے۔ لہٰذا یہاں کی خواتین مضبوط نظام تعلیم میں رہتے ہوئے زندگی کی مزاحمتوں پر قابو پا کر اپنی گھریلو زندگی کامیاب بنانا سیکھیں۔ چناں چہ

انھیں عورتوں کی تعلیم کے بارے میں کچھ کہنا پڑا۔ افزائش نسل اور اولاد کی تعلیم و تربیت میں دونوں کے کردار مختلف ہیں تو معاشرے میں دونوں کے فرائض اور ذمہ داریاں بھی الگ الگ ہیں کیونکہ ان کی جسمانی ساخت مردوں سے مختلف ہے۔ چنانچہ دونوں کے نصاب تعلیم اور تربیتی مضامین بھی الگ ہونے چاہیے اگر ان کے نصاب تعلیم میں فرق روانہ رکھا گیا اور دونوں کو ایک جیسے مضامین پڑھائے گئے تو اس طریقہ تعلیم اور یکساں نصاب پڑھنے سے عورت پن کے رخصت ہونے کا شدید خدشہ رہے گا اور معاشرے پر اس کے منفی اثرات مرتب ہوگے جس کی کبھی تلافی نہ ہو سکے گی۔

اقبالؒ کے نزدیک خواتین کے نصاب میں زبان وادب، تاریخ، معلومات عامہ جغرافیہ، ریاضی، جنرل سائنس، امور خانہ داری، امراض نسواں، طب اور سماجی علوم ہونے چاہیے اوران تمام مضامین میں خدا، مادہ، انسان، نیچر اور روحانیت سمیت سب چیزوں میں کلیت پائی جائے۔ ان کے نزدیک دین، سائنس اور حکمت بھی مکمل مضمون کی حیثیت رکھتے ہیں اور فلسفے کے تصورات کو سائنس کے تجربات وانکشافات سے ہم آہنگ دیکھنا چاہیے۔ وہ عورتوں کی مغربی تعلیم کے حق میں نہیں ہیں کیونکہ اس سے ان کے اندر بے حیائی پھیلتی ہے۔ یہ عورت کو چراغ خانہ کی بجائے شمع انجمن بنانے پر زور دیتی ہے جس سے معاشرے میں معاشرتی مسائل پیدا ہوتے ہیں اگر مشرقی عورت تعلیم حاصل کرکے وہی مقام حاصل کرنے کوشش کرے ایسی تعلیم مشرقی تعلیم کے منافی ہوگی۔ ان کے نزدیک تعلیم نسواں کا بنیادی مقصد شخصیت کی تکمیل کے ساتھ ساتھ اپنی خودی کی تکمیل ہے۔ علامہ اقبالؒ خوبصورت معاشرے کی تشکیل چاہتے تھے جہاں عورت مرد کے دوش بدوش کھڑی ہو۔ وہ خواجہ غلام حسین کو اپنے ایک خط میں رقمطراز ہیں۔

"علم سے مراد وہ علم ہے جس کا دارومدار حواس پر ہے۔۔ اس علم سے ایک طبعی قوت ہاتھ آتی ہے جس کو دین کے ماتحت رہنا چاہیے۔"

چنانچہ علامہ اقبالؒ کا تعلیم نسواں کے بارے میں وہی نظریہ ہے جو اسلام کا ہے کیونکہ دین اسلام نے خواتین کو تعلیم حاصل کرنے کی پوری آزادی دی ہے وہ اپنے افکار میں عورت کو عزت واحترام سے دیکھتے ہوئے کبھی ماں، کبھی بہن اور کبھی بیوی / زوجہ کی شکل میں پیش کرتے ہیں۔

علامہ اقبالؒ اپنے تعلیمی نظریے بالخصوص تعلیم نسواں میں اس کی ضمانت دیتے ہیں کہ ایسی تعلیم سے عورت کی نسوانیت پر آنچ نہیں آتی۔ وہ مخلوط تعلیم کے حامی نہیں کیونکہ ساری بیماریاں اسی سے پھیلتی ہیں۔ وہ خواتین

کے لئے ایسی تعلیم کے حامی ہیں کہ جہاں ان کی شخصیت میں نکھار آئے اور وہ ذمہ دار ماں بن کر اپنے بچوں کی اعلیٰ تربیت کرے۔ وہ ایسی تعلیم کے سخت مخالف ہیں کہ جس سے بے حیائی اور غیر ذمہ داری کو فروغ ہو۔ اقبالؒ کے نزدیک اگر کوئی ماں ان پڑھ اور غیر مہذب ہو مگر اپنے بچے کی پرورش اسلامی طریقے سے کر کے اسے غیرت منداور خود دار بنادے کہ جس سے ایک نڈر مسلم وجود میں آجائے تو ایسی ماں تعلیم یافتہ اور تہذیب یافتہ ماں سے بہتر ہے۔ وہ دنیاوی تعلیم کے ساتھ ساتھ دینی تعلیم کے حامی ہیں۔ جو اسے خاتون خانہ بنا کر اچھی ماں میں تبدیل کر اس کے نقطہ نظر کو وسیع کر دے۔ وہ ایسا علم حاصل کرنے سے اجتناب کرے کہ جس سے وہ دین سے بیگانہ ہو کر شمع انجمن بن کر دفتروں اور ہوٹلوں کی زینت بنے اور مغربی تعلیم کے زیر اثر وہی مقام حاصل کرنے کی کوشش کرے جو مغرب میں ہے تو ایسی تعلیم مشرقی تعلیم کے منافی ہے اس سے معاشرتی مسائل پیدا ہوں گے اور بربادی آئے گی۔ وہ مخلوط تعلیم کے مخالف ہیں کیوں کہ معاشرے میں ساری برائیاں اسی سے پھیلتی ہیں۔ بقول فقیر سید وحید الدین ”اقبالؒ زن ومرد کی ترقی، نشو ونما اور تعلیم وتربیت کے لئے جُدا گانہ طرزِ عمل کے قائل تھے کہ اللہ تعالیٰ نے جسمانی طور پر دونو ں کو مختلف بنایا ہے اور فرائض کے اعتبار سے بھی۔ چناں چہ موصوف محترم عورتوں کے لئے ان کی طبعی ضروریات کے مطابق الگ نظام تعلیم اور الگ نصاب چاہتے ہیں۔" (۱۶)

مغربی تعلیم ہمیں غلامی پر قانع ہونا سکھاتی ہے اور اپنے اسلاف کے کارناموں پر فخر کرنے کے بجائے انگریزی تہذیب پر ناز کرتے اس بات کا اقرار کرنا کہ دولت ہے تو سب کچھ ہے دولت نہیں تو کچھ بھی نہیں۔ جہاں دین اسلام نے عورتوں کو تعلیم وتربیت کے حصول کی پوری آزادی دی ہے وہیں مرد اور عورت کے درمیان اختلاط کی کوئی گنجائش نہیں؟ بلکہ دونوں کے لئے الگ الگ تعلیمی ادارے ہونے چاہیے۔ جہاں خواتین کامل یکسوئی کے ساتھ تعلیم حاصل کریں اور ہر نوع کے ممکنہ فتنے سے بچ سکیں۔ یہاں مخلوط تعلیم کا مفہوم آگ اور بارود ایک جگہ جمع کرنے کی مانند ہے اب اس کے بد اثرات کا اعتراف یورپ اور امریکہ کے بڑے بڑے ماہر نفسیات اور ماہرین بشریات بھی کر رہے ہیں۔ جبکہ عورت اور مرد میں کشش طبعی اور فطری ہے۔ یہ جب ملیں گے اور درمیان میں کوئی امر مانع نہ ہو گا تو رگڑ سے یکبارگی بجلی کا پیدا ہونا فطری امر ہے اس طرح دونوں کے بھٹکنے کا خدشہ یقینی ہے۔ مخلوط تعلیم میں دو نوں کی نشست گاہیں ایک ساتھ ہوتی ہیں اور ان سب پر طرفہ تماشا یہ کہ عریاں ونیم عریاں بازو، لب ہائے گلگوں، چمکتے ہوئے عارض، چشم ہائے نیم باز، بکھری ہوئی زلفیں، جبکہ سارا سراپا "انا البرق" کا منظر پیش کر رہا ہو، تو کیا فریق مقابل اپنے شوق دیدار اور شوق نظارہ کو صبر وشکیبائی کا رہین رکھے گا کبھی نہیں تو بلکہ وہ بے تابانہ اپنی نگاہوں کی تشنگی

کو دور کرنے کا سوچے گا۔ جبکہ جمال جہاں آراء پوری تابانیوں کے ساتھ دعوت دے رہا ہو تو اس کی دید کی پیاس بجھے گی کیا؟ بقول نایاب حسن قاسمی " بالآخر آدمی وہاں پہنچ کر دم لیتا ہے کہ جس کے بیان سے ناطقہ سر بہ گریباں اور خامہ انگشت بہ دنداں ہے " (۱۷) لہٰذا علامہ اقبالؒ عورتوں کی مخلوط تعلیم کے حق میں نہیں۔

جس علم کی تاثیر سے زن ہوتی ہے نازن
کہتے ہیں اسی علم کو ارباب نظر موت

علامہ اقبالؒ عورت کو تمدن کی جڑ قرار دیتے ہیں اور ہمارا تمدن، مذہب اسلام سے جُڑا ہوا ہے یہی وجہ ہے کہ علامہ اقبالؒ کے نزدیک عورتوں کے لئے مذہبی تعلیم ضروری ہے اس سے ظلم و جہالت کی تاریکیاں بھی دور ہوتی ہے۔ وہ تعلیم کے بغیر ادھوری ہیں۔ وہ دوران تعلیم اخلاقی اُصولوں کو مد نظر رکھنا سیکھیں گی۔ چنانچہ عورت کی نگہداشت اور صحیح دیکھ بھال، مذہبی تعلیم سے ہی ہو سکتی ہے۔ مذہبی تعلیم سے جو تمدن بار آور ہوتا ہے وہ اس کے بچوں میں پھلے اور پھولے گا۔ خواتین مذہب کی برکت سے اپنی عائلی زندگی کو بہتر بنا کر اپنے جگر گوشوں کی صالح تربیت کر سکیں گی وہ مذہبی تعلیم حاصل کرنے کے بعد عمدہ اخلاق و آداب سے بھی مزین ہوں گی تو صالح معاشرے کی تشکیل ہو گی پھر اس کے بچوں پر اچھے اثرات مرتب ہونگے۔ کیونکہ تعلیم یافتہ عورت کا نقطہ نظر توحید، رسالت اور آخرت پر ہوتا ہے۔ بقول علامہ اقبالؒ " مسلمانوں نے دنیا کو دکھانے کے لئے دنیوی تعلیم حاصل کرنا چاہی لیکن نہ دنیا حاصل کر سکے اور نہ ہی دین کو سنبھال سکے یہی حال مسلم خواتین کا ہے جو دنیوی تعلیم حاصل کرنے کے شوق میں دین کو کھو رہی ہیں " (۱۸)

علامہ اقبالؒ تعلیم نسواں کے لیے زبان و ادب کو ضروری گردانتے ہیں۔ کیونکہ خواتین زبان کو اس کے صحیح تلفظ کے ساتھ بول کر اس لفظ کی ادائیگی بھی درست کرتی ہیں۔ شعر و ادب ہر قوم کا تہذیبی ورثہ ہوتا ہے چنانچہ تعلیم یافتہ عورت کو اپنے تہذیبی ورثے کا پتہ ہونا چاہیے تا کہ وہ تہذیبی سطح پر اپنے بچوں کو اپنی تہذیب سے آگاہ کر سکے۔ ہم کوئی چیز نثر میں کہنا چاہتے ہیں مگر کہہ نہیں سکتے اسی مفہوم کو ایک شعر میں بیان کیا جا سکتا ہے لہٰذا ادب سے شناسا خاتون اپنے بچوں کو شعر پڑھنا سکھا سکے گی اور اس کے بچے اپنے شعر و ادب سے آگاہ ہو جائیں گے۔ بڑے بڑے مشاہیر کی زندگیوں کا سراغ لگایا جائے تو ان کی ماؤں نے شعر و ادب کی تفہیم، شعر کی درست ادائیگی اور مفہوم سمجھنے میں اہم رہنمائی کی۔

علامہ اقبالؒ خواتین کی تعلیم کے لیے تاریخ (History) کو ضروری سمجھتے ہیں۔ اس میں قوموں کے عروج وزوال کی داستاں ہوتی ہے اورانسانوں کی سیرتوں سے آگاہی ہوتی ہے کہ انقلاب کیوں آتاہے اور اس کے محر کات کیاہوتے ہیں؟ تعلیم یافتہ خواتین اپنے مشاہیر محمد بن قاسمؒ، سلطان ٹیپوؒ، سراج الدولہؒ اور قائد اعظمؒ کے کارنامو ں سے اپنے بچوں کو آگاہ کریں گی۔ اقبالؒ نے تعلیم نسواں میں تاریخ اور اس کی روایت کو اپنے نصاب میں جگہ دی ہے۔ تاریخ، انسانی کردار کی تعمیر، ملت کی تنظیم اور حقائق کے انکشاف کابہت بڑا ذریعہ ہے تاکہ بچے تاریخ سے آگاہی حاصل کرکے آئندہ قوم کی قیادت کافریضہ سنبھال سکیں۔اقبالؒ کی نظر میں جو قومیں اپنی روایات سے بیگانہ رہتی ہیں وہ اپنی ہستی کو گم کردیتی ہیں۔ انسانی سیرت ماں کی گود میں ہی بنتی، سنورتی، نکھرتی اور بگڑتی ہے۔

علامہ اقبالؒ کے نزدیک تعلیم نسواں کے نصاب میں معلومات، حساب اور جنرل سائنس بھی ہونے چاہیے۔ گو خواتین دنیابھر کی معلومات اور موجودہ زمانے میں ہونی والی سائنسی تبدیلیوں سے کماحق واستفادہ نہیں کر سکتی تاہم روز مرہ کی زندگی میں پیش آنے والی معلومات اور ابتدائی سائنس سے واقفیت ضروری ہے تاکہ اپنے بچوں کو روز مرہ کی چیزوں اور جنرل سائنس کے متعلق معلومات فراہم کرسکیں۔ وہ خواتین کے لیے حساب کی تعلیم کو ضروری گردانتے ہیں اس لیے کہ اگر عورت حساب سے واقف ہوگی توگھریلو زندگی میں کفایت سے کام لے کر عُسر ت سے محفوظ رہ سکے گی۔ان کا کہنا ہے کہ "ہمیں ناصرہ جاوید نے کفایت کرکے جاوید اقبالؒ کے وسائل میں اضافہ کر کے انھیں تنگ دستی بچایا۔

علامہ اقبالؒ کے نزدیک مشرقی عورت شروع ہی سے نیک سیرت، بلند اخلاق اور ہنس مکھ ہوتی ہے۔ وہ جب بات کرے تواس کے منھ سے پھول جھڑیں اور امور خانہ کو ضروری سمجھے کیونکہ عورت کی بنیادی ذمہ داری تو گھر داری ہے لہذااسے امور خانہ داری کی بنیادی باتوں کاعلم ہوناچاہیے۔ کیونکہ اس نے تعلیم حاصل کرکے کسی کے گھر کی ملکہ بنناہے اسے بچپن ہی سے والدین کی اطاعت اور شادی کے بعد شوہر کی رضامندی کو پروانہ جنت سمجھنا چاہیے تاکہ خانگی شیرازہ اس کی ذات سے بندھا رہے کیونکہ خاندان کی ساری مسرتیں اسی کے دم سے قائم ہے وہ زیور علم سے آراستہ ہوکر صحیح معنوں میں گھر کی ملکہ ثابت ہو۔ علامہ اقبالؒ تعلیم نسواں کی ذیل میں طب کی تعلیم کو نصاب کاضروری حصہ سمجھتے ہیں تاکہ خواتین ایام بیماری میں حفظان صحت اور چھوٹے بچوں کی دیکھ بھال کرسکیں۔ علامہ اقبالؒ کے نزدیک عورت کے لئے اعلیٰ تعلیم اس کی خودی کے منافی ہے کیونکہ عورت کی اعلیٰ تعلیم کے باعث خانگی زندگی میں ایسے لمحات ناخوشگوار پیش آتے ہیں جوناقابل بیاں ہیں۔ یہیں سے نفساتی بیماریاں جنم لیتی ہیں پھر ان

مسائل کو کھل کر بیان نہیں جا سکتا عورتوں کی اعلیٰ تعلیم کے سبب معاشرے میں طرح طرح کی پیچیدگیاں پیدا ہوتی ہیں اور عورتیں اپنے نسوانی جوہر سے غافل ہو کر مردوں کے دوش بدوش کھڑی ہو کر سیاست اور معیشت میں حصہ داری کو ترقی متصور کرتی ہیں۔ ان کی اس خواہش کے پیچھے بھٹکنے کا احتمال ہوتا ہے کیونکہ اعلیٰ تعلیم یافتہ خواتین فریضہ امومت کو زیادہ پسند نہیں کرتیں اور فرائض عمومیت کی انجام دہی سے لاپرواہ ہوتی ہیں۔ اقبالؒ اپنے ایک لیکچر میں امومیت کے متعلق فرماتے ہیں" :

> " قدرت نے دونوں کے تفویض جُدا جُدا خدمتیں کیں اور ان فرائض جُداگانہ کی صحیح اور باقاعدہ انجام دہی خانوادہ انسانی کی صحت اور فلاح کے لئے لازمی ہے، عورتوں کو آزاد کر دیا جانا ایک ایسا تجربہ ہے جو میری دانست میں بجائے کامیاب ہونے نقصان رساں ثابت ہوگا اور نظام معاشرت میں اس سے بے حد پیچیدگیاں پیدا ہو جائیں گی اور عورتوں کی اعلیٰ تعلیم سے بھی کسی حد تک قوم کی شرح ولادت کا تعلق ہے یوں جو نتائج مرتب ہونگے وہ بھی غالباً ناپسندیدہ ہونگے "۔[۱۹]

علامہ اقبالؒ کے نزدیک عورتوں کی ایسی تعلیم جو اس کے نسوانی جوہر چھین کر اسے ذاتی اور انفرادی آرام و آسائش میں مشغول کر دے اور ان کی عفت اور شرافت کو نقصان پہنچائے تو ایسی کلی ہمارے معاشرے اور ہماری تہذیب میں نہ کھلے تو بہتر ہے۔ علامہ اقبالؒ اسی پس منظر میں تعلیم نسواں کے ضمن میں اعلیٰ تعلیم کے جواز کو ناپسند کرتے تھے۔ علامہ اقبالؒ کے نزدیک تعلیم نسواں کی ضمن میں خواتین کے لباس کی بھی خاص اہمیت ہے۔ دوران تعلیم ان کا لباس ایسا ہونا چاہیے کہ جس میں مردوں کے لباس کی جھلک نہ ہو۔ یہ اس میں آسانی محسوس کریں جو جسم کے خدوخال کو نمایاں نہ کرے۔ علامہ اقبالؒ اپنے فلسفہ تعلیم نسواں میں عورتوں کے پردے کو لازمی سمجھتے ہیں۔ وہ ایسی پابندیوں کے خلاف ہیں کہ جن کی وجہ سے خواتین کے لئے حصول علم ناممکن ہو جائے۔ قرآن مجید میں حصول علم کا ذکر پانچ سو بار اور پردے کا حکم دو بار آیا ہے جبکہ ان کے نزدیک عورت اجتماعی خودی کی پاسباں ہے۔ وہ عورتوں کی ایسی تعلیم کے قائل ہیں جو حقیقت میں انھیں مسلم ناری اور شرم و حیا کی پتلی بنا دے۔ اقبالؒ تعلیم نسواں کے ضمن میں مرد کو عورت کی حفاظت کا ذمہ دار سمجھتے ہیں کہ چاہیے پردہ ہو یا نہ ہو، تعلیم پرانی ہو یا نئی ہو۔ لیکن نسوانیت کی نگہبانی کا فریضہ فقط مرد ہی سرانجام دے سکتا ہے وہ ایسی تعلیم کو ضروری گردانتے ہیں کہ جو اسلام کے ابتدائی دور میں تھی کہ عورت مروجہ برقعہ کے بغیر بھی شرعی پردے کا اہتمام کرتے ہوئے، شرم و حیا اور عفت و عصمت کے

احساس کے ساتھ زندگی کی تمام سرگرمیوں میں حصہ لے سکتی ہے۔ پردے کے بغیر عورت اپنا نسوانی حسن کھو دیتی ہے۔ بقول ڈاکٹر عبادت بریلوی "نسوانیت عورت کا جوہر ہے۔ نسوانیت ختم ہوتے ہی گویا اس کی موت آجاتی ہے اور اس کے بعد وہ جو کچھ بھی رہے عورت نہیں رہتی" (۲۰)

ان کی نظر میں عورت کا ایک مخصوص دائرہ کار ہے جو اپنے دائرہ کار میں رہتے ہوئے شرعی پردے کے اہتمام کے ساتھ ساتھ خوبصورت طریقے سے زندگی گزار سکتی ہے اور معاشرے پر اس کے نیک اثرات مرتب ہوں اور اس کے پرتو سے حریم کائنات اس طرح روشن ہو جس طرح ذات باری تعالیٰ کی تجلی حجاب کے باوجود کائنات کے ہر ذرے پر پڑتی ہے۔

اقبالؒ عورت کے پردے کے حامی ہیں کیونکہ شرعی پردہ عورت کی سرگرمیوں میں حائل نہیں ہوتا بلکہ وہ اس میں رہتے ہوئے زندگی کی تمام سرگرمیوں میں حصہ لے سکتی ہے اور زمانہ قدیم میں بھی حصہ لیتی رہی ہے۔ کیونکہ پردہ شرم وحیا کے مکمل احساس کا نام ہے۔ ان کے خیال میں عورت کو پردے میں رہ کر اپنی ذات کے امکانات کو سمجھنے کا خوب موقع ملتا ہے۔ وہ گھر کے ماحول میں رہ کر سماجی خرابیوں سے محفوظ رہ کر خاندان کی تعمیر کا فرض ادا کرتی ہے۔ جو معاشرہ کی بنیادی اکائی ہے وہ جب پردے سے باہر آتی ہے تو زیب وزینت، نمائش، بیباکی، بے حیائی اور زندگی کی پراگندگی کا شکار ہو جاتی ہے۔ چنانچہ اُصول فطرت ہے کہ عورت کے ذاتی جوہر خلوت میں نمو پاتے ہیں، جلوت میں نہیں یہی وجہ ہے کہ انھوں نے "خلوت" کے نام سے ایک نظم بھی لکھی ہے اسے تعلیم نسواں کے نصاب کا حصہ قرار دیا جاسکتا ہے۔ فطرت کا اُصول ہے کہ جب تک ذوق نظر اپنی حدود میں رہے تو پاکیزہ جذبات و افکار جنم لیتے ہیں۔ جب ہم اپنی حدود سے تجاوز کرتے ہیں تو خیالات پراگندہ اور جذبات ابتر ہو جاتے ہیں جس طرح صدف کی آغوش میں قطرہ نیساں جوہر بنتا ہے۔ اسی طرح نسوانی جوہر کی پردے اور شرم وحیا میں ہی تعمیر و تشکیل ہوتی ہے اسی میں عورت کی بقا، عظمت اور ترقی کا راز ہے۔ بقول ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی "مادرانہ فرائض اور نکاح کی بندشوں سے آزاد ہونے کے بعد دوسرا مظہر بے پردگی ہے اور ڈاکٹر صاحب اس کے سخت مخالف ہیں" (۲۱) علامہ اقبالؒ خواتین کے لئے مغربی تعلیم کو پسند نہیں کرتے کیونکہ یہ اپنے ساتھ بہت سی برائیاں بھی لاتی ہے۔ مغربی تعلیم میں عورت کے حسن گفتار، حسن صورت، زیب وزینت خوش لباسی، گلے بازی اور اس کے رقص کے چرچے زبان زدِ خاص وعام ہیں۔ اس کا نام آتے ہی تو کام ولذت دہن دونوں محظوظ ہوں۔ اس کا جلوہ آنکھوں میں چمک پیدا کر دے اس کا تصور دلوں میں بے انتہا شوق پیدا کر دے۔ اس کی ذات دوست واحباب کی خوش وقتیوں کا دلچسپ ذریعہ ہو

اس کی رعنائی اور دل ربائی کا نقش عام وخاص پر ثبت ہو۔ کلب کے در و دیوار، پارک کے سبزہ زار پر ہوٹلوں کے کوچ اور صوفوں پر اس کا نام کنندہ ہو۔ بقول اکبر الہ آبادی

حامدہ چمکی نہ تھی انگلش سے جب بے گانہ تھی
اب ہے شمع انجمن، پہلے چراغ خانہ تھی

مغربی تعلیم، خواتین کی نسوانیت کو سب سے پہلے ختم کرتی ہے۔ مغربی تعلیم اسے مرد بننے پر اور نسوانیت کا گلہ گھونٹ دینے پر ہر لحہ اُکساتی ہے. یورپ نے اپنی خواتین کو تعلیم سے ضرور ہمکنار کیا، مگر اس تعلیم نے عورت کی تمام اچھائیوں پر پانی پھیر دیا اور وہاں کی خاتون صحیح معنوں میں عورت نہ رہی بلکہ فیکٹری میں کمانے والی عورت کے روپ میں ڈھل گئی۔ چنانچہ یورپ کی عورتیں نے مرد بننے کی تمنا میں جو کچھ کیا وہ کسی بھی سوسائٹی کے لئے انتہائی بد نما داغ ہے۔ بقول اقبالؒ

تہذیب فرنگی ہے اگر مرگ امومت
ہے حضرت انسان کے لئے اس کا ثمر موت

رقص وسرور مغربی تعلیم کا خاصا ہے اس تعلیم میں خواتین تھیٹر، سینما، کلب اور رقص وسرور میں اپنے بدن کے خم و پیچ کی کھل کر نمائش کی جاتی ہے جسے علامہ اقبالؒ پسند نہیں کرتے کیونکہ قدرت نے اسے اس لئے پیدا نہیں کیا کہ وہ جگہ جگہ بے حیائی کا نقاب ڈال کر اپنے عشوؤں اور نازو انداز سے لوگوں کے دلوں کو لبھاتی پھرے۔ علامہ اقبالؒ کے نزدیک مغربی تعلیم کی رو میں بہہ کر مشرقی عورت کا جلوت پسند ہو جانا علامہ اقبالؒ کو ناپسند تھا وہ عورتوں کی تعلیم وترقی کے ساتھ ساتھ ان کی اخلاقی تربیت کو بھی ضروری سمجھتے ہیں فحاشی مغربی تعلیم کا خطرناک پہلو ہے جو اس کے قیمتی جوہر کو کھو دیتا ہے مغرب کا تصورِ تعلیم نسواں سب سے پہلے اسے دین سے بیگانہ کرکے ایسے کلچر کو متعارف کراتا ہے جو ہماری سوسائٹی کے لئے کسی بھی طرح ٹھیک نہیں۔ اس کی جھلک مخلوط تعلیمی اداروں میں دیکھی جاسکتی ہے۔ علامہ اقبالؒ خواتیں کے لئے ایسی تعلیم چاہتے ہیں جو انھیں دین سے بیگانہ نہ کرے بلکہ انھیں اسلامی تعلیمات کی طرف راغب کرے اور مشرقیت کے دائرے میں رہتے ہوئے اپنی شخصیت اور خودی کی تکمیل کریں انھیں اپنے فرائض کی ادائیگی اور اپنی صلاحتوں کا ادراک ہو سکے۔ علامہ اقبالؒ کے نزدیک تعلیم نسواں کے مقصد فرض میں امومت پوشیدہ ہے۔

تعلیم یافتہ عورت سماجی اور معاشرتی زندگی میں مرکزی حیثیت رکھتی ہے اور خاندان کی زندگی جذبہ امومت پر ہے ۔ اگر کوئی عورت فرض امومت کو چھوڑے جو قدرت نے نسل نو کی تخلیق اور تعلیم وتربیت کی صورت میں اس کے سپرد کیا ہے اس کی اس جذبے سے بغاوت معاشرتی خودکشی کے مترادف ہے۔ ماں کی گود ہی بچوں کی تعلیم وتربیت پہلا دبستان ہے ۔جو انسان کو اخلاق و معاشرت سکھاتی ہے ۔ قوموں کی تعمیر و تشکیل کا مستقبل کا دارو مدار اُسی پر ہے لہذٰا عورت کا شرف وامتیاز امومت میں ہے جس قوم کی خواتین فرائض امومت سے اجتناب کرنے لگیں تو اس قوم کا معاشرتی نظام درہم برہم اور اس کی عائلی زندگی انتشار کا شکار ہونے لگتی ہے ۔ جس سے افراد اور قوم کے درمیان رشتہ کمزور ہو جاتا ہے۔ وہاں اخلاقی اقدار دم توڑ دیتی ہیں۔ مغربی تمدن کی اقدار عالیہ کو زوال اس وجہ آیا کہ عورت جذبہ امومت سے کنارہ کش ہو گئی جبکہ اس کی ذات امین ممکنات کا شاہکار ہے اور دنیا کے انقلاب ماؤں کی گود میں پرورش پاتے ہیں ۔ لہذا ایسی تعلیم جو اسے اپنی تہذیب اور مذہب سے بیگانہ کر دے وہ اس کے لئے زہر ہلاہل ہے

بیگانہ رہے دیں سے اگر مدرسہ زن
ہے عشق و محبت کے لئے علم وہنر موت

اقبالؒ کی نظر میں ایسی تعلیم جو جذبہ امومت سے عاری ہو۔ وہ زہر ہلاہل ، بے مقصد اور لغو ہے۔ اس جذبہ کی دست برداری سے طالبات کی تمام صلاحیتں مفلوج ہو کر ذہنی بیماریوں کا شکار ہو جاتی ہیں۔ کیونکہ انھوں نے فطری راستے کو چھوڑتے ہوئے خود سے ایسا راستہ اختیار کر لیا ہے جو سراسر تباہی اور بربادی کا ہے۔ بقول یوسف حسین خان، "عورت کا نصب العین یہ نہیں ہونا چاہیے کہ وہ افلاطون کے سے مکالمات لکھے اور اپنے فضل کا سکہ بٹھائے بلکہ یہ کہ ایک ایسے شخص کی ماں بنے جو افلاطوں کے سے مکالمات لکھ سکے اس کا اصلی منصب امومت ہے۔ "

شرف میں بڑھ کے ثریا سے مشت خاک اس کی
کہ ہر شرف ہے اسی دُرج کا در مکنوں

علامہ اقبالؒ نے " جاوید نامہ ' میں ایک تجدد پسند عورت کا ذکر کیا ہے اس کی عالم علوی کے دوران مریخ کی دوشیزہ سے ملاقات ہو گئی جو انتہائی خوبصورت تھی مگر اس کا چہرہ بے نور ، باتیں بے سوز اور آنکھیں بے نم، سرور آرزو سے یکسر محروم، سینہ جوش شباب سے عاری اور عشق و شوق کی لذتوں سے بے خبر تھی اس کا تعلق افرنگ سے تھا۔ جبکہ عورت کی خودیٍ فرائض امومت سے ہی استحکام پاتی ہے بقول ابوالاعلیٰ مودودی

"اللہ تعالیٰ نے تمام ذی حیات انواع مادہ کا فرق محض تناسل اور بقائے نوع کے لئے رکھا ہے کہ دونوں صنفوں کے افراد مل کر ایک خاندان وجود میں لائیں اور اس سے تمدن کی بنیاد پڑے ان میں ایک دوسرے کے لئے صنفی کشش پیدا کی گئی ہے۔ دونوں کی جسمانی ساخت اور نفسیاتی ترکیب ایک دوسرے کے مقاصد زوجیت کے عین مطابق بنائی گئی ہے اور ان کے جذب وانجذاب میں لذت رکھی گئی ہے۔"(۲۲)

قدرت کا منشا بھی یہی ہے کہ عورت اپنے سوزِ دروں سے اسرارِ حیات کی حفاظت کرے تو اس کے ذاتی جوہر بھی نمایاں ہونگے۔ اقبالؒ کے نزدیک وہ علم وہنر میں کوئی بڑا کارنامہ سرانجام نہ دے سکے تو اس کا مرتبہ کم نہیں ہو جاتا۔ اس کے لئے یہ شرف ہی بہت بڑا ہے کہ زندگی کے ہر میدان میں کارہائے نمایاں سرانجام دینے والے مشاہیر اس کی گود میں پروان چڑھتے ہیں اور دنیا کا کوئی انساں ایسا نہین جو اس کا ممنون احسان نہ ہو۔ علامہ اقبالؒ نے مسلم خواتین کے لئے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو ان کا نصب العین قرار دیا حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے ماں اور بیوی کی حیثیت سے مثالی زندگی گزاری ہے وہ دنیا بھر کی خواتین کے لئے عمدہ نمونہ ہیں انھوں نے اپنی آغوش میں حضرت امام حسین علیہ السلام کو جس طرح پروان چڑھایا۔

مزرع تسلیم را حاصل بتول
مادراں را اُسوہ کامل بتول

ان جیسی نظیر مسلم تاریخ میں کوئی دوسری نہیں ہے۔ اقبالؒ کی نظر میں کسی عورت کے بطن سے ایسا انسان پیدا ہو جائے جو حق پرستی اور حق گوئی کو اپنا مقصد اور نصب العین قرار دے تو اس عورت نے دنیا میں آنے کا حق ادا کر دیا۔ بقول عبدالسلام ندوی اقبالؒ کے نزدیک، "عورت کا کمال یہ نہیں ہے کہ وہ علم وفضل میں ارسطو اور افلاطون بن جائے بلکہ اس کا کمال یہ ہے کہ وہ ارسطو اور افلاطون پیدا کرے۔"

وہ تعلیم کے ضمن میں کہتے ہیں علم سے مراد وہ علم ہے جس کا دارومدار حواس پر ہو۔ عام طور پر میں علم کا لفظ ان ہی معنوں میں استعمال کیا ہے۔ اس علم سے وہ طبعی قوت آتی ہے جس کو دین کے ماتحت رہنا چاہیے اگر یہ دین کے تحت نہ رہے تو شیطنیت ہے۔ مسلمان کے لئے لازم ہے کہ علم کو مسلماں کرے۔ ان کے نزدیک ایک علم عقل اور حواس سے حاصل ہوتا ہے، اس کی بنیاد ایمان اور وجدان پر ہے۔ اقبالؒ کے نزدیک دونوں میں تضاد نہیں، جو علم ظاہری حواس اور عقل سے حاصل ہو وہ روحانی علم بن جاتا ہے دونوں مل کر ہی صحیح نظام تعلیم مرتب کرتے ہیں پہلے

علم سے روحانی قوت آتی ہے۔عورتوں میں روحانی طاقت کا ہونا ضروری ہے تاکہ وہ خود سر نہ سکیں۔یہی علم انسان کو انسان بناتا ہے اسی میں خدا کی طاقت ہوتی ہے جو عورت کی خودی کو مضبوط بناتی ہے وہ جس سے خود شناش ہو کر خود آگہی کے مرتبے پر فائز ہو جاتی ہیں یہ وہ منزل ہوتی ہے جس میں سارازور کتب پر نہیں ہوتا بلکہ خودی کی نشوونما پر ہوتا ہے ان کی نظر میں تعلیم کا بڑا مقصد خودی کی تقویت اور استحکام ہے۔وہ خودی کی تکمیل ہونے پر اپنے خاندان کو باندھ کر رکھے گی اس سے اتحاد کی تعلیم شروع ہوتی ہے۔اقبالؒ کی اس تعلیم سے عورت میں خود ایثاری کا جذبہ پیدا ہو گا۔جس سے حیات انسانی میں تنظیم ہو گی پھر عورت،اللہ کی دی صلاحیتیں پورے طور پر استعمال میں لائے گی وہ اپنے بچوں کو خاک بازی کی تعلیم ملنے،شاہین بچوں کا گلا گھٹنے پر لاالہ الا اللہ کا بخوشی سبق دے گی۔کیونکہ اقبالؒ کے نزدیک تعلیم یافتہ خواتین چھوٹے بچوں کو زیادہ پیار سے پڑھاتی ہیں دوسروں کی مدد کرنے کا جذبہ ابھار سکتی ہیں۔علامہ اقبالؒ نے تعلیم نسواں کے ضمن میں فاطمہ نامی ایک لڑکی کا ذکر کیا ہے جو میدان جنگ شہیدوں کو پانی پلاتے ہوئے شہید ہو گئی تھی۔علامہ اقبالؒ اسے آبروئے ملت کہتے ہیں۔

فاطمہ! تو آبروئے امت مرحوم ہے
ذرہ ذرہ تیری مشتِ خاک کا معصوم ہے

علامہ اقبالؒ تعلیم نسواں کو بھی قومی امور کے تابع رکھنے کے حامی ہیں ان کے بقول،"ایسے تمام مضامین جن میں عورت کو نسوانیت اور دین سے محروم کر دینے کا میلان پایا جائے۔احتیاط کے ساتھ تعلیم سے خارج کر دیئے جائیں۔"

علامہ اقبالؒ نے جدید تعلیم کو کم طلب اور تہی کدوے خانے قرار دیا ہے چنانچہ اقدار سے محروم جدید تعلیم سے نمو یافتہ تہذیب کو شاخ نازک کا آشیانہ قرار دیتے ہیں۔وہ تعلیم کے ضمن میں فیضان نظر اور مکتب کی کرامت کا بھی ذکر کرتے ہیں۔ان کا یہ مطمع نظر کسی تخصیص کا محتاج نہیں کیونکہ بعض اساتذہ رول ماڈل ہوتے ہیں۔چنانچہ تعلیم نسواں میں ذوق تحقیق و تخلیق اور شخصیت کے تزکیہ و تعمیر میں اساتذہ کی توجہ اور ذوق نظر کا بھی بڑا کمال ہوتا ہے۔وہ خواتین کو اپنے نظام تعلیم میں رول ماڈل دیکھنا چاہتے ہیں۔ان کا تعلیمی فلسفہ صرف حرف شناشی اور محض کتاب خوانی تک محدود نہیں بلکہ علم کے اسرار و رموز کی لذت آشنائی بھی ہے تاکہ طالبات میں آفاقی و عالمی نظر پیدا ہو سکے۔

ہوئے ہیں کتنے بڑے علم خاک کا پندار
بجھی ہیں کتنے بڑے فلسفیوں کی قندیلیں

علامہ اقبالؒ کا تعلیمی فلسفہ برائے نسواں قرآن و سنت کی بنیادی اسلامی تعلیمات کے مطابق ہے۔ تاہم اس پر ان کا فلسفیانہ رنگ غالب ہے۔ وہ عورت کو اسی دائرے میں دیکھنا چاہتے ہیں جس کی تعلیم اسلام نے دی ہے اور عورت کے متعلق اسی حدود قیود کے حامی ہیں جو اسلام نے قائم کی ہیں۔ وہ عورت کو اس قدر پابند نہیں بناتی ہیں جو پردہ کے مروجہ تصور نے سمجھ لیا ہے اور نہ اس قدر آزادی دیتی ہیں۔ جو مغرب نے عورت کو دے دی ہے لہذا ان کا فلسفہ تعلیمِ نسواں خواتین کے لئے ایسے تعلیمی ماحول اور ایسے نصاب کا حامی ہے۔ وہ جس میں اپنی تمام تر صلاحیتں کو بہتر طور پر استعمال میں لاسکتی ہیں۔ علامہ اقبال نے یہی بات اپنے تعلیم نسواں کے فلسفے میں کہی ہے اور یہ عین فطرت کے مطابق ہے اس سے انحراف اور خلاف ورزی معاشرت کے لازمی بگاڑ اور انتشار کا باعث بنتی ہے۔ چنانچہ وہ اپنے تعلیمی فلسفے میں عورت کو عورت ہی رکھنے کے روادار ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ مودی، ابوالاعلیٰ: "تفہیم القرآن، جلد دوم، سروس بک کلب، لاہور، ۱۹۷۸ء ص:۵۲
۲۔ یوسف حسین خاں: "روح اقبالؒ" القمر انٹر پرائز، لاہور، ۲۰۱۶ء ص:۲۵۳
۳۔ قرآن مجید: سورہ، اقرا، آیات۔ ۱
۴۔ فتوح البدان، بلاذری، ج،۱، ص:۴۵۸
۵۔ خلیفہ عبد الحکیم: "فکر اقبالؒ"۔ بزم اقبالؒ، ۲۰۱۰ء ص؛۳۸۷
۶۔ مجنوں گورکھپوری: "اقبالؒ" ایوان اشاعت، گورکھپور، ۱۹۴۴ء ص:۲۰
۷۔ عبادت بریلوی، ڈاکٹر: "اقبالؒ احوال وآثار"، مکتبہ عالیہ، لاہور، بار دوم، ۲۰۰۹ء ص:۸۳
۸۔ عطا محمد، شیخ: مرتبہ، "اقبالؒ نامہ" شیخ محمد اشرف، لاہور، طبع اول، س ندارد، ص ۴۳
۹۔ محمد رفیق، افغان، مرتبہ "گفتار اقبالؒ"، ادارہ تحقیقات پاکستان، دانش گاہ پنجاب، لاہور، ۱۹۶۹ء ص:۱۹۰
۱۰۔ ایضاً، ص:۳
۱۱۔ عطا محمد، شیخ، "اقبالؒ نامہ" حصہ اول، ص: ۲۵۱
۱۲۔ حق نواز، مرتبہ "سیاحت اقبالؒ"، کتاب مرکز، لائلپور، ۱۸۷۶ء ص:۲۰۶

۱۳۔ غلام حسین ذوالفقار: "اقبالؒ کا ذہنی و فکری ارتقا"، بزم اقبالؒ، کلب روڈ، لاہور، اکتوبر، ۱۹۹۸ ء ص:۶۴

۱۴۔ احمد میاں اختر، قاضی: "اقبالیات کا تنقیدی جائزہ"، اقبالؒ اکیڈمی، کراچی، ۱۹۶۵ء ص:۱۳۲

۱۵۔ عبادت بریلوی، ڈاکٹر، "اقبال احوال و آثار" ص:۱۵۱

۱۶۔ وحید الدین، سید فقیر: "روز گار فقیر" جلد اول ص:۱۶۶

۱۷۔ نایاب حسن، قاسمی: "اسلام میں تعلیم نسواں اور مخلوط نظام تعلیم" مشمولہ دار لعلوم، دیوبند، فروری ۲۰۲۰ء ص:۱۵

۱۸۔ شذرات فکر اقبالؒ، ص:۲۰۸

۱۹۔ روح اقبالؒ: ص:۳۳۴ شذرات فکر اقبالؒ، ص:۲۰۸

۲۰۔ ڈاکٹر عبادت بریلوی: اقبالؒ احوال و افکار، مکتبہ عالیہ، ۲۰۰۹ء ص:۱۰۲

۲۱۔ رفیع الدین ہاشمی: اقبالؒ بحثیت شاعر، مجلس ترقی ادب لاہور ۱۹۹۷ء ص ۲۱۰

۲۲۔ شذرات فکر اقبالؒ، ص:۸۵